

وہی شہر بھی کئی بار لٹا تھا!

خواجہ صاحب کا واں ایپ پر پیغام آیا۔ آواز میں آز حد اضطراب تھا۔ ”گجر انوالہ میں ہوں۔ اہل خانہ، بینک سے زیور نکلو اکر جیسے ہی گھر پہنچے، گیٹ کے باہر موڑ سائیکل سوار ماسک پہنے ہوئے ڈاکوآئے۔ گن پوائنٹ پر زیور حاصل کیا اور فرار ہو گئے“۔ دوسرا جملہ حد درجہ تکلیف دہ تھا۔ ”تھوڑی دیر تک گھر پہنچ جاؤ نگا۔ اگر کوئی دوست یہ پیغام سن رہا ہے تو ذرا میرے گھر جا کر تسلی دے دے“۔ خواجہ صاحب، میرے گھر کے نزدیک ہی رہتے ہیں۔ فوراً وہاں پہنچا۔ عین باہر، ایک پولیس والا، ساکت کھڑا خلا کو گھورا تھا کہ شائد غیر معمولی قوت بینائی سے ڈاکوؤں تک پہنچ جائے۔ گھر کے اندر گیا تو گھر کی بچیاں حد درجہ پر بیشان تھیں۔ فطری بات ہے کہ اگر کسی مرد یا عورت کی کنپی پر پستول رکھ کر زیور چھین لیا جائے تو اسکے اعصاب مضحم ضرور ہو گئے۔ واردات بالکل ایسی تھی جیسے کسی کو علم ہو کہ بینک سے زیور نکلوانے کئے ہیں۔ قیاس تھا کہ بینک کے باہر ہی کسی کو ٹھووس خبر تھی کہ ایک خاندان کسی تقریب کیلئے اپنا زیور نکلوار ہا ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ بینک کے عملہ کا کسی جرام پیشہ گینگ سے تعلق ہو۔ بہر حال گھر میں قیامت صفری کا عالم تھا۔ تھوڑی دیر میں خواجہ صاحب بھی گھر پہنچ گئے۔ انہوں نے کمال ہمت سے صورتحال کو سنبھالا۔ واپس آکر کئی گھنٹے یہ سوچتا رہا کہ اس طرح کے جرام کیا ہمارا مقدربن چکے ہیں۔ ہمارا کوئی والی وارث نہیں۔ متفاہد بات یہ بھی تھی کہ خواجہ صاحب اور ہم سب اللہ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ ڈاکو، اپنی منفی طاقت کو گولی چلا کر قتل کرنے کیلئے آرام سے استعمال کر سکتے تھے۔ واقعی جن حالات میں ہم لوگ سانس لینے پر مجبور ہیں، وہاں جان اور عزت کا محفوظ رہنا بھی باعث شکر ہے۔ پولیس کے ایک سینئر افسر سے بات ہوئی۔ وہی روایتی جواب کہ ”انشاء اللہ ہم جلد ہی ڈاکوؤں کا کھونج لگا لیں گے۔ فکر کی کوئی بات نہیں“۔ ہونا ہوانا کیا ہے۔ یہ سب کے علم میں ہے۔ اس پر کیا بات کی جائے۔ خواجہ صاحب انتہائی مذہبی انسان ہیں۔ جان اور عزت بختنے پر ہی سجدہ شکر بجالائے ہیں۔ حادثہ کے بعد دو بار بات ہوئی۔ مکمل سکون میں تھے۔ اس ریاست یعنی خداداد پاکستان میں کیونکہ کوئی ادارہ معمول کے مطابق کام ہی نہیں کر رہا۔ لہذا سب کچھ خدا پر چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ دو دن پہلے لاہور ہی میں پیش آیا۔ اب حالت یہ ہے کہ تمام لوگ اپنی بساط کے مطابق اہل خانہ اور ذاتی سکیورٹی کی طرف توجہ دے رہے ہیں۔ یعنی ریاست کی بنیادی ذمہ داری بھی اب خام ہو چکی۔ تمام لوگ اپنی جان کے خود ذمہ دار ہیں۔

یہ واقعہ اہل خانہ اور آبادی کیلئے تو حد درجہ غیر معمولی ہے۔ مگر اس طرح کے واقعات ہر شہر اور قصبے میں اکثر اوقات ہوتے رہتے ہیں۔ اخبار میں معمولی سی خبراً اور بس۔ جہاں تک پولیس یا ریاستی اداروں کی کارکردگی کا تعلق ہے تو شہر یوں کی جان، مال اور عزت کے حوالے سے صفر سے بھی نیچے ہے۔ ہاں، ہونی بھی چاہیے۔ کیونکہ پولیس اور دیگر اداروں کو انکے بنیادی کام سے ہٹا کر سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے مختص کر دیا گیا ہے۔ ڈسٹرکٹ میسٹریٹ کے آزمودہ نظام میں کسی حد تک لاءِ اینڈ آرڈر کی ضمیحی حد تک باز پرس ہوتی تھی۔ جو کب کا ختم ہو چکا۔ قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ اس وقت حالات بہت بہتر تھے۔ مگر یہ ضرور تھا کہ مقامی سطح پر پولیس سے قانونی طور پر پوچھا جا سکتا تھا کہ شہری حفاظت کے حوالے سے کیا اقدامات کیے ہیں۔ اور اگر کوئی بڑی واردات ہوتی تھی تو اسکے مجرموں کو کپڑنے

کے امکانات کافی زیادہ تھے۔ اب صورتحال حド درجہ المناک سی ہے۔ سیاستدانوں اور طاقتوروں نے ہر ادارے کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے۔ عوامی خدمت کی کوئی صائب وجہاب رہی نہیں ہے۔ خدمت صرف نعروں، دعووں اور جذباتی تقریروں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ دیکھا جائے، تو جس طرح لوگ ملک چھوڑ کر باہر بھاگ رہے ہیں اس رجہان کی اصل وجہ معاشرے میں عزتِ نفس کو ہر دم درندوں کے ہاتھوں کچلنا ہی تو ہے۔ میرے اکثر دوست، رشتہ دار ملک چھوڑ چکے ہیں۔ یا اب بھرت کرنے کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ پوچھیں تو جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ یہاں ہماری دولت، عزت، کاروبار کچھ بھی محفوظ نہیں ہے۔ مغربی ممالک میں کم از کم کوئی ہمیں تنگ یا ذلیل تونہیں کریگا۔

ایک عجیب سماواقعہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حکمران اس سے سبق سیکھ لے۔ سٹاف کالج لاہور میں تدریس کا کام کر رہا تھا۔ چند برس پہلے کی بات ہے۔ سرکاری طور پر لندن جانے کا اتفاق ہوا۔ ہم تقریباً پندرہ لوگ تھے۔ وہاں سرکاری طور پر سکاٹ لینڈ یارڈ میں ایک بریفنگ بھی تھی۔ سکاٹ لینڈ یارڈ انہتائی سادہ ہی بلڈنگ ہے۔ بریفنگ چیف کا نشیبل نے بذاتِ خود دی۔ یہ ہمارے آئی جی کی سطح کا افسر تھا۔ سوال و جواب کے سیشن میں ایک حیرت انگیز بات سامنے آئی۔ وفد میں شامل ایک پولیس افسر نے چیف کا نشیبل سے سوال کیا کہ کیا کبھی کسی تقیش یا کیس میں وزیر اعظم، ہاؤس آف کامنزیا کسی طاقتور آدمی نے آپ کو کہا ہے کہ یہ کام انکی مرضی کے مطابق کیا جائے۔ چیف کا نشیبل نے بریفنگ روک دی۔ سنجیدگی سے پوچھا کہ سوال نہیں سمجھ سکا۔ چنانچہ سوال دوبارہ کیا گیا۔ گوراپولیس افسر کری پر بیٹھ گیا۔ پانی کا گلاس پیا۔ جواب سننے کے قابل تھا۔ ”کا نشیبل یعنی سپاہی سے ترقی کر کے اس بلند سطح پر پہنچا ہوں۔ میراپورا کیرٹسیس برس پر محیط ہے۔ ان تین دہائیوں میں ہزاروں تقیشیں کی ہیں۔ آج تک، ایک بار بھی کسی اہم، غیر اہم یا حکومتی ادارے نے یہ نہیں کہا کہ اسکی منشا کے مطابق کام کروں۔ پھر گورے نے وفد سے سوال کیا کہ کیا آپ کے ملک میں پولیس پر کوئی سیاسی دباؤ ہوتا ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ چیف کا نشیبل نے بریفنگ کے آخر میں صرف یہ کہا کہ آپ لوگوں نے خاموش رہ کر درست جواب دیدیا ہے۔ لازم ہے کہ اپنے ملک کے ادنیٰ نظام کے بارے میں پر دلیں میں تنقید کرنا غیر مناسب ہے۔ بہر حال ترقی یافتہ دنیا میں پولیس یا انتظامی اداروں پر کسی قسم کا حکومتی سایہ نہیں پڑتا۔ عوام کو میرٹ اور صرف میرٹ پر انصاف مہیا کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں اس کا تصور تک نہیں ہے۔ ہاں، وہاں ہر جنم پر پولیس اور ادارے کام کرتے ہیں۔ یہ تصور ہی نہیں ہے کہ شہری کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے اور پولیس اسکونظر انداز کر دے۔ حکومت نہیں بلکہ ریاست، لوگوں کی عزت، جان اور مال کی محافظت ہے۔ ہمارے ہاں اس طرح کی کوئی حقیقت موجود نہیں ہے۔

بُدْعَتی کا اندازہ صرف اس بات سے لگائیے کہ پنجاب سیف سٹی اتھارٹی نے آئی جی پنجاب کو کچھ عرصہ پہلے چونکا دینے والی رپورٹ بھجوائی۔ اس رپورٹ کے مطابق لاہور پولیس کے ماتحت افران اپنی ناقص کا کردگی کو چھپانے کیلئے بہتر فیصد جرام کی ایف آئی آر درج نہیں کیں۔ پچھلے برس کے پہلے تین مہینوں میں 9881 وارداتوں کی کالزم موصول ہوئیں۔ ان پر صرف دو ہزار پر ایف آئی آر درج کی گئیں۔ اس حساب سے شکایتوں کا صرف اٹھائیں فیصد مداوا ہو پایا۔ رپورٹ میں یہ بھی درج تھا کہ تمام شکایات بچ پرمنی نہیں

ہوتیں۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ سو میں سے صرف اٹھائیں فیصلہ فریادیں درست ہوں۔ اعلیٰ ترین سرکاری عمال نے بھی تصدیق کی کہ تھانوں میں واضح رجحان موجود ہے کہ مہیب سے مہیب جرم کو بھی کمزور کر کے پیش کیا جائے۔ مقصد صرف یہ کہ اصلاحیت کو سامنے نہ آنے دیا جائے۔ کا کردگی کو ناقص نہ کہا جائے۔ یہ رپورٹ کم از کم ہمارے صوبے میں پولیس کے کام کرنے کی صلاحیت پر سوالات اٹھاتی ہے۔ باقی صوبوں میں کیا حال ہے۔ اسکا علم نہیں ہے۔ مگر سندھ میں بھی دگرگوں قسم کے حالات ہیں۔ بلوچستان میں بھی پولیس کا عمل دغل ہی اتنا کم ہے کہ کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ باقی کے پی، تو بتایا جاتا ہے کہ وہاں معاملات نسبتاً بہتر تھے۔ موجودہ وزیر اعلیٰ کی موجودگی میں کیا حالات ہیں اسکے متعلق کچھ بھی کہنا ناممکن ہے۔

شائد آپ کو یقین نہ آئے کہ تقسیم بر صغير سے پہلے، پنجاب پولیس دنیا کے بہترین اداروں میں شامل تھی۔ ذمہ دار ترین لوگ بتاتے ہیں کہ پنجاب پولیس کا معیارِ تقیش، برطانیہ کی سکاٹ لینڈ یارڈ کے برابر تھا۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ کہیں جرم ہو جائے اور مقامی پولیس مجرم کی گوئی نہ کر پائے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک ایسا مثالی ادارہ جسکی پوری دنیا تعریف کرتی تھی۔ چند دہائیوں میں اس بدحالی تک کیسے پہنچ گیا؟ اسکا جواب صرف اور صرف ایک ہے۔ گروں نے مقامی معاملات میں نیوٹرل رو یہ رکھا ہوا تھا۔ انکا ایس پی جسے عام زبان میں کہا جاتا تھا، مکمل طور پر غیر جانبدار تھا۔ اسکا یہاں کوئی رشتہ دار، برادری یا مقامی معاملہ نہیں تھا۔ ضلع کی سطح اور اس سے اوپر افسروں کی اکثریت انگریز تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہر سیاستدان اور سیاسی جماعت نے بھر پور کوشش کی کہ اس پروفیشنل ادارے کو اپنے سیاسی اور ذاتی مخالفین کے خلاف سفاک طریقے سے استعمال کیا جائے۔ سیاستدانوں کے ذہن میں تھا کہ پولیس وہ واحد ادارہ ہے جس سے سیاسی دھاک بٹھا سکتے ہیں۔ ایکشن پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لہذا پولیس میں سیاسی عمل دخل آہستہ آہستہ بڑھتا چلا گیا۔ وزراء اعلیٰ اور وزیر اعظم کی پسند اور ناپسند پر افسروں کی تعیناتی ہونے لگی۔ کسی بھی حکمران نے اس منفی کام میں کسر نہیں چھوڑی۔ ہر جگہ ”اپنے بندے“ لگوانے کی رسم اتنی پختہ ہو گئی کہ آج بھی یہی سکھ رائجِ الوقت ہے۔ کوئی بھی حکومت پولیس میں سیاسی مداخلت نہ کرنے کا تصور نہیں رکھتی۔ جب حکمران ہی اس ادارے کو تباہ کرنے کے ذمہ دار ہیں تو ان افسروں کو معتوب کیوں ٹھہرایا جائے۔ نتائج سامنے ہیں۔ اپنے شہر لاہور کی بات کر رہا ہوں۔ اسے ہر دم لوٹا جا رہا ہے۔ ہر شریف انسان اپنی عزت، جان اور مال خود محفوظ رکھنے کی ٹنگ دو دو میں ہے۔ جو کچھ خواجہ صاحب کے اہل خانہ کے ساتھ ہوا۔ اسکے لیے ہم سب کو تیار رہنا چاہیے۔ کس سے فریاد کریں کہ لاہور شہر میں ہر طرف ڈاکے، راہ زمیں اور چوریوں کا دور دورہ ہے۔ سناء ہے کہ دلی بھی کئی بار لوٹا گیا تھا! شائد اب اس شہر کو اسی مقام پر پہنچایا جا رہا ہے؟

راو منظر حیات